الاشباہ والنظائر فی القرآنِ الکریم

ایک تنقیدی جائزہ

سید رضوان علی ندوی*

''قرآن حکیم میں کچھ ایسے الفاظ ومحاورات استعمال ہوئے ہیں جو کثیر المعانی ہیں، جن کی معنوی جہات کو متعین کرنے میں غیر اہل زبان ہی کو نہیں بلکہ خود اہل زبان کو بھی دشواری وصعوبت لاحق ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ عہد نبوی، عہد صحابہؓ اور عہد تابعین وتبع تابعین میں بھی بعض قرآنی الفاظ ومحاورات کے معانی ومطالب کی تعیین کے سلسلہ میں استفسارات وسوالات منقول ہوئے ہیں۔ ان وجوہ وعوامل کی بناء پر متقدمین و متاخرین مفسرین ائمہ لغات نے قرآنی ومحاورات کے ترجیحی معانی ومفاہیم کو طے کرنے کے لیے قرآنی لغات نویسی کی داغ بیل ڈالی اور اسے ایک فن کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اس فن پر گراں قدر کتب تصنیف کیں۔ متقدمین علماء وائمہ لغات میں، جنہوں نے قرآنی لغات نویسی اور مشکلات قرآن کے حل میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، ایک نمایاں نام مقاتل بن سلیمان بن بشیر الأزدی الخراسانی البلخی (م:۱۵۰ھ) کا ہے۔ اس فن (الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم) پر انہوں نے ایک کتاب الوجوہ والنظائر کے نام سے تصنیف کی، جبکہ ایک دوسری کتاب الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم کے نام سے بھی ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ موخر الذکر تصنیف کو عبداللہ محمود شحاتہ نے مرتب و مدون کرکے قاہرہ سے شائع کیا ہے (۱۹۷۵ء)۔ الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم میں قوامیس و معاجم کی ترتیب پر قرآنی الفاظ ولغات کی شرح وتفسیر کی گئی ہے، (جو تنزیل میں ایک سے زائد بار آئے ہیں اور فحوائے کلام کے لحاظ سے مختلف جگہوں پر مختلف معانی دیتے ہیں) اور اصل لفظ کی معانیاتی تبدیلیوں کی نشان دہی کی گئی ہے، تاکہ قاری کو تنزیل میں ایک سے زائد بار واقع ہونے والے قرآنی الفاظ کے معانی و مفاہیم کے درمیان جو فرق ہے، اس کا علم ہو سکے (ملاحظہ ہو: M. Plessner- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لائیڈن: ای جے برل، ۱۹۹۳ء، ج ۷، ص ۵۰۸-۵۰۹)۔

ابوالنصر محمد خالدی (۱۹۱۲-۱۹۸۵ء)، سابق استاذ جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، نے مقاتل بن سلیمان کی طرف منسوب اس کتاب کی اردو میں شرح وتفسیر کا اہتمام کیا، جسے شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ۔ نئی دہلی، نے شائع کیا ہے (۲۰۰۴ء)۔

* مکان نمبر ۵، ''پی'' اسٹریٹ، فیز-۷، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی-۷۵۵۰۰۔

ابوالنصر محمد خالدی عربی عبارتوں کے ترجمہ یا ترجمانی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ مقاتل کے بتائے ہوئے معنی کی تطبیق و تعیین کرتے ہیں، پھر لفظ کی مناسبت سے قرآنی آیات پیش کر کے مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا فتح محمد جالندھری، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم قرآنی میں سے ان کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ ابوالنصر محمد خالدی عموماً ہر لفظ کے معنی بتاتے ہوئے عربی، فارسی، اردو اور ہندی چاروں زبانوں کے مترادفات بھی بیان کرتے ہیں، جس سے ہر لفظ کے معنی کی کافی وضاحت و صراحت ہو جاتی ہے۔ تاہم انہوں نے جہاں مقاتل بن سلیمان کی لغوی تحقیقات کی ستائش کی ہے وہاں کتاب میں درج متعدد غیر موزوں لغوی تحقیقات کی نشان دہی بھی کی ہے اور کہیں کہیں تنقیدی آراء بھی پیش کی ہیں۔

سید رضوان علی ندوی نے، جو عربی و اسلامیات کے ایک جید عالم ہیں، مقاتل بن سلیمان کی طرف منسوب کتاب الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم کے اسی اردو شرح و تفسیر پر ایک تنقیدی مقالہ سپرد قلم کیا ہے، جو ذیل میں قارئینِ جہات الاسلام کی نذر کیا جاتا ہے [مدیر]۔''

زیرِ نظر کتاب ایک قدیم مفسّر، مقاتل بن سلیمان (م: ۱۵۰ھ) کی تصنیف کا اردو ترجمہ و شرح ہے، اور شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی (انڈیا) کی طرف سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا ہے۔ کتاب کے سرِ ورق پر اصل مصنف کے بجائے اس کے مترجم و شارح ابوالنصر محمد خالدی کا نام مطبوع ہے، اور کتاب کو ان کی تصنیف قرار دیا گیا ہے۔ مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی کا مقدمہ پڑھنے سے بھی قاری کو معلوم ہوتا ہے کہ کتاب درحقیقت مقاتل بن سلیمان کی تصنیف ہے۔ ابوالنصر خالدی کا، جن کی وفات کے بعد یہ کتاب چھپی ہے، کام یہ ہے کہ انہوں نے ترجمہ کیا ہے اور ترجمے کے ساتھ ساتھ مختلف عناوین کے تحت اس کی تشریح کی ہے۔ یہ ترجمہ و تشریح مندرجہ ذیل سات عناوین سے ہے:

توضیح، تشریح، انتباہ، یادداشت، ملحوظہ، ملاحظات، تنبیہ

کتاب میں خود مترجم کا کوئی مقدمہ یا تعارف نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا کہ ان متعدد عناوین کا کیا مقصد ہے۔ کہیں تو عنوان ''توضیح'' ترجمے کے لیے استعمال ہوا ہے، جیسے کتاب کی ابتدا میں صفحہ ۱۹ تا ۲۲ اور متعدد دیگر مقامات بلکہ بیشتر مقامات پر، اور کہیں یہ ترجمے کی شرح کے لیے آیا ہے، جیسے صفحہ ۲۴ پر سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۱۱ کے ترجمے کے بعد ''توضیح'' کے تحت نصف سطر لکھی گئی ہے۔ کتاب میں یہ بڑی پراگندگی فکر و ترتیب ہے کہ پوری کتاب پڑھنے پر صحیح طور پر یہ نہیں پتہ چلتا کہ کون سی تحریر اصل مصنف کی ہے اور کون سی باتیں کتاب کے مترجم و

محقق کی ہیں، شاذو نادر مترجم کے قلم سے کہیں اصل مصنف کا نام آجاتا ہے اور اس سے اختلاف بھی کیا جاتا ہے۔ بہر حال بیشتر ذیلی عنوان ''توضیح'' کے تحت ترجمہ ہی مذکور ہے۔

اس سے زیادہ عجیب بات اندرونی سرورق پر شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے صدرِ نشین مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی کا ''تقدیم، تعلیق، تصحیح'' کے تحت اسم گرامی ہے۔ کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''تقدیم و تصحیح'' (پروف خوانی؟) کی حد تک تو یہ دعویٰ صحیح ہے لیکن ''تعلیق'' کا دعویٰ بے محل ہے، کیونکہ ۶۱۱ صفحات کی کتاب میں صرف تیس بتیس جگہ مولانا قاسمی صاحب کے تشریحی فٹ نوٹس یا حواشی ہیں، جو بیشتر ایک سطر یا ڈیڑھ سطر یا پھر نصف سطر کے ہیں، اور وہ بھی ایسی باتوں کی تشریح ہے جن سے قرآن کریم کا ایک اچھا مطالعہ کرنے والا واقف ہی ہوتا ہے۔

جہاں تک ''تقدیم'' یعنی مقدمہ کا تعلق ہے کوئی شک نہیں کہ یہ قدرے طویل (ساڑھے آٹھ صفحات) ہے، لیکن نہ تو مقدمہ نگار نے اس کے لکھتے وقت کسی تحقیق سے کام لیا ہے اور نہ مقدمہ میں دقّتِ نظر کا پتہ چلتا ہے، اور اس بات کا پتہ کتاب کے نام ہی سے چل جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ موصوف نے یہ تو اپنے مقدمہ میں بتادیا کہ یہ کتاب دراصل ''الشیخ مقاتل بن سلیمان'' کی تصنیف ہے (ص ۱۲)، لیکن یہ نہیں بتایا کہ کتاب کا نام اس قدیم مُفسّر نے الاشباہ والنظائر نہیں رکھا تھا اور نہ کہیں کسی قدیم ماخذ میں مقاتل کی موجودہ کتاب کا یہ نام بتایا جاتا ہے۔

قدیم و جدید مآخذ مثلاً فہرست الندیم (صحیح لقب یہی ہے، ایرانی فاضل رضا تجدد نے ۱۹۷۶ء میں الفہرست کا مصنف کا اپنے ہاتھ کا جو نسخہ چسٹر بیٹی (Chester Betty) کے مخطوط سے شایع کیا ہے، اس میں ''الندیم'' ہی لقب ہے ابن الندیم غلط مشہور ہوگیا ہے) اعلام للزرکلی اور تاریخ التراث العربی از فؤاد سیزگین میں کتاب کا نام الوجوہ والنظائر ہے۔ حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں یہی نام دیا ہے، بلکہ اس عظیم اور انتہائی وسیع المطالعہ ترکی مصنف (حاجی خلیفہ) نے الوجوہ والنظائر کو تفسیر کی فروع کا ایک علم قرار دیا ہے۔ اس علم سے عمومی ناواقفیت کے پیشِ نظر ہم یہاں اُن ہی کے الفاظ میں اس کی تعریف پیش کرتے ہیں:

علم الوجوه والنظائر وهو من فروع التفسير–ومعناه ان تكون الكلمة واحدة ذكرت فى مواضع من القرآن على لفظ واحد و حركة واحدة، واريد بها فى كل مكان معنى غير الآخر، فلفظ كل كلمة ذكرت فى موضع نظير، للفظ الكلمة المذكورة فى الموضع الآخر هو "النظائر"۔ و تفسير كل كلمة بمعنى غير الاخرى هو "الوجوه"۔ فاذاً النظائر اسم الالفاظ والوجوه اسم المعانى۔

ترجمہ: علم الوجوہ والنظائر-تفسیر کا ایک فرعی علم ہے اور اس کا موضوع یہ ہے کہ ایک لفظ ایک ہی شکل اور ایک ہی اعرابی صورت میں قرآن میں ذکر کیا گیا ہو، لیکن ہر جگہ اس کے ایک دوسرے معنی مراد ہوں۔ اس طرح ہر وہ لفظ جو اپنے مخصوص تلفظ میں ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے، اسی لفظ کی جو کسی دوسری جگہ آیا ہے ''نظیر'' ہے۔ اور ایسے سب الفاظ ''نظائر'' ہیں۔ اور ہر لفظ کی کوئی دوسری معنوی تفسیر ''وجوہ'' ہیں۔ اس طرح نظائر الفاظ کا نام ہے اور وجوہ ان کے معانی کا نام ہے۔

اس تعریف کے بعد حاجی خلیفہ نے الوجوہ النظائر کے نام سے تصنیف شدہ نو (۹) کتابوں کا ذکر کیا ہے، انہی میں مقاتل بن سلیمان کی کتاب بھی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ دوسرے ہی صفحے (ص۱۳) پر مولانا قاسمی نے مقاتل کی کتابوں کی جو فہرست دی ہے۔ اس میں کتاب کا نام الوجوہ والنظائر ہی ہے۔ مولانا عطاء الرحمن قاسمی صاحب کا یہ طویل مقدمہ سہل انگاری اور تضادات کا عجیب نمونہ ہے۔ بطور مثال وہ فرماتے ہیں: ''اس طبعی مناسبت کی بنا پر ابوالنصر محمد خالدی نے اپنے پیش رو مفسر اور شیخ تفسیر مقاتل بن سلیمان کی کتاب الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم کی شرح و تفسیر کا اہتمام کیا اور امت کے سامنے لغت قرآنی کا ایک نایاب و بیش بہا نسخہ تحفتہً پیش کر دیا... ورنہ قوی اندیشہ تھا کہ یہ مخطوطہ [کذا] بھی ان کتب مخطوطات کی طرح کسی لائبریری و میوزیم کی زینت ہو کر رہ جاتا (ص۱۴)۔'' اس کے فوراً بعد ہی دوسری سطور میں وہ فرماتے ہیں: الاشباہ والنظائر (فقہ کی ایک مشہور کتاب اسی نام سے ہے) مگر مذکورہ کتاب قرآنی لغات و مترادفات پر مشتمل ہے جو مقاتل بن سلیمان کی طرف منسوب کی جاتی ہے، اس کا کوئی مطبوعہ نسخہ یا مخطوطہ میری نگاہ سے نہیں گزرا ہے (ص۱۵)۔''

اب ہم بتائے دیتے ہیں کہ کتاب مطبوع ہے، عبداللہ محمود شحاتہ نے اس کو قاہرہ سے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا ہے، اس نے کسی قلمی نسخے میں پائے جانے والے غالباً اس غلط نام ''الاشباہ والنظائر'' سے یہ کتاب شایع کی، اور یہی مطبوعہ نسخہ یقیناً ابوالنصر محمد خالدی کے سامنے ہوگا، آگے آتا ہے کہ کتاب کا مطبوعہ نسخہ ان کے پیش نظر تھا، اس لیے انہوں نے بھی ترجمہ کرتے وقت کتاب کو یہی نام دیا۔ ترکی کے معاصر علامہ فواد سیزگین نے اپنی ضخیم معرکتہ الآراء کتاب تاریخ التراث العربی میں ''الوجوہ والنظائر'' کے نام سے استانبول کے کتب خانوں میں دو مخطوطوں کی نشان دہی کی ہے۔ مولانا قاسمی صاحب اس اہم کتاب سے، جس سے تحقیق کرنے والوں کے لیے مفر نہیں، رجوع کرتے تو یقیناً نہ کہتے کہ کتاب کے کسی مخطوطے کا بھی پتہ نہیں۔

خود مولانا قاسمی صاحب نے مقاتل کی جن کتابوں کا ذکر تفصیل سے صفحہ ۱۳ پر کیا ہے ان میں ایک کتاب

الوجوہ والنظائر کے نام سے ہے، جس کا ذکر قدیم وجدید مصنفین کرتے ہیں، اور یہ وہ بارہ تصنیفات ہیں جن کا ذکر صاحب الفہرست نے کیا ہے۔ یہاں مولانا قاسمی صاحب نے ایک کتاب نظائر القرآن کے نام سے شروع ہی میں اضافہ کردی ہے۔ نہ معلوم اس کتاب کا پتہ ان کو کہاں سے چلا؟ ہمارا خیال ہے کہ شاید وہ یہاں الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم یعنی پیش نظر کتاب کا نام لکھنا چاہتے ہوں گے، روانی قلم سے ''نظائر القرآن'' آ گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مقاتل بن سلیمان کو دو مختلف کتابوں کا مصنف سمجھ رہے ہیں: ایک ''الوجوہ والنظائر'' اور دوسری ''الاشباہ والنظائر''۔ ہمارے اس گمان کی تصدیق موصوف کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ:

> ڈاکٹر ابونصر خالدی نے اپنے پیش رو مفسّر اور شیخ تفسیر مقاتل بن سلیمان کی کتاب الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم کی شرح وتفسیر کا اہتمام کیا اور امت کے سامنے لغتِ قرآنی کا ایک نایاب اور بیش بہا نسخہ تحفۃً پیش کردیا ورنہ قوی اندیشہ تھا کہ یہ مخطوطہ بھی دیگر بہت سے کتب مخطوطات کی طرح لائبریری و میوزیم کی زینت بن کررہ جاتا (ص ۱۴)۔

ان کا مذکورہ بالا بیان مبالغہ آفرینی اور غلط بیانی پر مبنی ہے۔ نہ تو یہ مقاتل شیخ التفسیر تھے، بلکہ وکیع اور نسائی وغیرہ نے انہیں کذّاب کہا ہے، اور نہ پیش نظر کتاب لغاتِ قرانی کا کوئی بیش بہا تحفہ ہے۔ بلکہ سیکڑوں تشریح طلب الفاظ قرآنی کا اس میں ذکر ہی نہیں اور نہ ابوالنصر خالدی مرحوم نے کتاب کے مخطوطہ کو زندہ کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا یہ کتاب ۱۹۷۵ء میں مصر میں طبع ہو چکی تھی، ابوالنصر خالدی صاحب نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے، اور اس میں آیاتِ قرآنی کا ترجمہ بھی اکثر دیگر افراد یعنی مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا فتح محمد جالندھری، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودی کا ہے، البتہ کہیں کہیں انہوں نے ''ملحوظہ'' اور ''انتباہ'' وغیرہ عناوین کے تحت کچھ شرح کردی ہے۔

ایک قدیم مفسرِ قرآن کی لغتِ قرآن سے متعلق کتاب پر مقدمہ لکھتے ہوئے مولانا قاسمی صاحب کی سہل انگاری اور قلتِ معلومات کا اندازہ ان کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابن قتیبہ (م: ۲۷۶ھ)، راغب الاصفہانی (م: ۵۰۲ھ) اور ابن الاثیر الجزری (م: ۶۰۶ھ) صاحب النہایہ فی غریب الحدیث والاثر کی کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ: ''عجیب علمی حادثہ ہے کہ اس وقت علامہ راغب الاصفہانی کی المفردات فی غریب القرآن کے علاوہ مذکورہ بالا تمام کتابیں کم یاب ہی نہیں بلکہ ناپید ہیں'' (ص ۱۲)۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ابن قتیبہ کی کتاب مشکل القرآن مطبوع ہے، بلکہ ایک سے زیادہ مرتبہ طبع ہوئی ہے۔ آخری بار مصری فاضل

السید احمد صقر کی تحقیق سے تاویل مشکل القرآن کے نام سے دارالکتب العلمیہ ،بیروت سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی ہے۔اسی طرح ابن الاثیر الجزری کی النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر بھی کافی عرصہ پہلے چھپی تھی اور پھر تحقیق کردہ نسخہ دارالکتب العلمیہ ،بیروت سے ۱۹۹۲ء میں چھپا ہے۔مولانا قاسمی صاحب نے دونوں کتابوں کے نام بھی ''مشکلات القرآن'' اور ''النھایہ فی غریب الحدیث والتنزیل'' غلط لکھے ہیں۔پھر یہ کہ قرآنی لغات پر کافی پہلے ابوعبیدۃ معمر بن المثنی (م:۲۱۰ھ) کی مجاز القرآن (دوجلدیں) اور الفرّاء کی معانی القرآن (۳ جلدیں) تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہیں جن کا ذکر انہوں نے نہیں کیا۔اسی طرح اپنے مقدمہ کی ابتداء میں (ص۱۱) ایک عالم کے حوالے سے حضرت عمرؓ کا جو مشہور قصہ لکھا ہے کہ ان کو آیت قرآنی ''وفاکھۃ و ابّا'' میں لفظ "ابّا" اور ایک دوسری آیت "اویاخذھم علی تخوف" (النحل:۴۷) میں لفظ ''تخوّف'' کے معنی معلوم نہ تھے۔وہ ایک قدیم مہمل روایت ہے،اس میں انقطاع اور اضطراب ہے۔حافظ ابن کثیر اور آخر میں علامہ حمیدالدین فراہی نے اپنی کتاب مفردات القرآن میں اس کی تردید کی ہے۔اس کتاب کا نام تو مولانا قاسمی صاحب کے مقدمے میں بھی موجود ہے۔

مقدمہ میں بڑی متضاد باتیں ہیں۔صفحہ۱۲ کے وسط میں وہ فرماتے ہیں:

۱- ''مقاتل کا شمار ممتاز مفسرین ومحدثین میں ہوتا ہے''،اور پھر نیچے آخری سطر میں امام ذھبی کا قول وہ نقل کرتے ہیں (مصدر کا نام نہیں لکھا): ''وھو متروک الحدیث''۔ابن خلکان نے وفیات میں اور امام ذھبی نے سیر اعلام النبلاء میں مقاتل کے سوانح حیات میں امام بخاری، یحییٰ بن معین اور دیگر محدثین کے سخت اقوال ان (مقاتل) کے خلاف نقل کیے ہیں۔بیشتر محدثین کے نزدیک مقاتل بن سلیمان ناقابلِ اعتبار ہیں۔اس کے برخلاف اسی مصنف کے ہم نام معاصر مقاتل بن حیّان کو تقریباً سب ہی نے ثقہ اور لایقِ اعتبار کہا ہے۔

۲- ص۱۵ پر رقم طراز ہیں: ''مقاتل نے تفسیری معنی (مفہوم،مطلب،مراد) بتانے میں کہیں کسی شعری یا نثری سند سے استشہاد نہیں کیا ہے۔'' اور دوسری ہی سطر میں کہتے ہیں: ''مقاتل کے شواہد نقل کرنے کے بعد ابوالنصر محمد خالدی مرحوم نے سب سے پہلے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کا اردو ترجمہ نقل کیا ہے۔اس کے بعد ''توضیح'' کا عنوان دے کر مقاتل کے دیے ہوئے معنی کے اعتبار سے تفسیری مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ظاہر بات ہے کہ جہاں مقاتل کے دیے ہوئے تفسیری معنی کی تشریح شیخ الہند حضرت مولانا محمود

حسن دیوبندی، مولانا فتح محمد جالندھری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی یا کسی اور ترجمے سے ہوگی وہاں توضیح کی ضرورت نہیں ہے (ص ۱۵-۱۶)۔''

سوال یہ ہے کہ جب مقاتل نے کسی شعری یا نثری سند سے استشہاد ہی نہیں کیا ہے، تو پھر مقاتل کے کن شواہد کو ابوالنصر محمد خالدی نقل کرتے اور ان کا ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب کے ترجمۂ قرآن سے نقل کرتے ہیں۔ درحقیقت مولانا قاسمی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ مقاتل نے کلامِ عرب سے تو کوئی شواہد پیش نہیں کیے ہیں، لیکن جو آیاتِ قرآنی بطور شواہد پیش کی ہیں ان کا ترجمہ وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ترجمۂ قرآن سے پیش کرتے ہیں۔

مولانا قاسمی کا مقدمے میں یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ابوالنصر محمد خالدی صاحب نے مقاتل کے شواہد [آیاتِ قرآنی] کا ترجمہ شیخ الہند کے ترجمے سے نقل کرنے کے بعد، مقاتل کے دیے ہوئے معنی کے اعتبار سے تفسیری مفہوم کو ''توضیح'' کے عنوان کے تحت واضح کیا ہے۔ کیونکہ ساری کتاب میں عنوان ''توضیح'' کے تحت مقاتل کی پیش کردہ آیاتِ قرآنی کا صرف ترجمہ ہے۔ ابوالنصر خالدی مرحوم کے کام پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ آیات کے ترجمے کو ''توضیح'' کا عنوان کیوں دیا ہے۔ محض ترجمے سے تو ہمیشہ آیات کے مفاہیم و مطالب کی وضاحت نہیں ہوجاتی، اس لیے شاہ عبدالقادر دہلوی سے موجود دور تک کے تمام مترجمین اپنے تراجم کے ساتھ ساتھ تفسیری حواشی بھی لکھتے ہیں۔ خود ابوالنصر خالدی مرحوم اگرچہ بیشتر ''توضیح'' یعنی صرف ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں لیکن کہیں کہیں وہ خود بھی ''توضیح'' کے بعد ''تشریح'' کے عنوان کے تحت اپنی توضیح کی تشریح کرتے ہیں۔ توضیح و تشریح تو مترادف الفاظ ہیں۔ جب کسی چیز کی وضاحت ہوگئی تو اس کی تشریح چہ معنی دارد؟ نہ معلوم مترجم مرحوم نے ترجمہ کے بجائے ساری کتاب میں توضیح کا لفظ کیوں اختیار کیا ہے۔

۳۔ مقدمے میں بڑی مبالغہ آفرینی سے کام لیا گیا ہے، اور کہیں کہیں کافی ابہام ہے۔ ص ۱۶ پر فاضل مقدمہ نگار رقم طراز ہیں: ''محمد ابوالنصر خالدی عربی عبارتوں کا [کذا، کے] ترجمے یا ترجمانی پر اکتفا نہیں کرتے ہیں، بلکہ مقاتل کے بتائے ہوئے معنی کی تطبیق وتعیین کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لفظ کی مناسبت سے قرآنی آیات کو تلاش کرنا اور ان کے مطالب ومعانی کو بیان کرنا آسان کام نہیں، پھر [بھی] خالدی صاحب ''توضیح'' کے عنوان سے متعلقہ آیات کی تفسیر کرتے ہیں اور حقایق ومعارف کا دریا بہادیتے ہیں (ص ۱۶)۔''

ہم نے اس جائزے کی ابتداء میں ''علم الوجوہ والنظائر'' کی تشریح کرتے ہوئے حاجی خلیفہ (کاتب

چلپی) صاحب کشف الظنون کے الفاظ میں لکھا تھا کہ ''وجوہ'' الفاظ کے معانی کا دوسرا نام ہے، اور ''نظائر'' وہ الفاظِ قرآنی ہیں جو ایک شکل و حرکت میں مختلف آیاتِ قرآنی میں آتے ہیں اور یہ کام مصنف کتاب مقاتل بن سلیمان نے کیا ہے کہ ایسے تقریباً تمام الفاظِ قرآنی نقل کر کے ان کے معانی لکھ دیے ہیں اور آیات قرآنی کی نشان دہی کر دی ہے۔ پھر یہ بات نا قابل فہم ہے کہ ''ان الفاظ کے معانی کی تطبیق و تعیین'' ابوالنصر خالدی مرحوم نے کی ہے، وہ کس طرح یہ کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مقاتل کی پیش کردہ آیاتِ قرآنی کے علاوہ اور کون سی آیاتِ قرآنی تلاش کی ہیں اور ان کے مطالب معانی بیان کیے ہیں؟

۴۔ ایک اور متضاد بات مقدمے میں یہ ہے کہ صفحہ ۱۵ پر مولانا قاسمی لکھتے ہیں کہ: ''الاشباہ والنظائر'' میں قوامیس و معاجم کی ترتیب پر قرآنی الفاظ ولغات کی شرح و تفسیر کی گئی ہے۔'' پھر اسی صفحہ پر چند سطروں کے بعد وہ بتاتے ہیں کہ ''یہ بات واضح رہے کہ مقاتل کی کتاب میں لفظی یا معنوی ترتیب نہیں ہے۔ مثلاً لفظ ''ھ د ی'' ہے اور آخری ف س ق ہے، یہی حال حروف کا ہے، کہیں فی، لکھ دیا تو کہیں من اور کہیں الّا (ص ۱۵)۔''

جب کتاب میں کوئی لفظی و معنوی ترتیب نہیں ہے تو وہ قوامیس و معاجم کی ترتیب پر کیسے ہوگی؟ معلوم نہیں یہ سب کچھ لکھتے ہوئے مولانا موصوف نے کتاب پر نظر ڈالی تھی یا نہیں۔ کیونکہ لفظ ھدی تو اس میں ہے، لیکن کتاب میں مادۂ ف س ق (فسق) کا وجود ہی نہیں۔ باب الفاء میں صفحہ ۴۱۸ سے ۴۴۴ تک آٹھ مادے مذکور ہیں ان میں فسق نہیں ہے۔ اس میں فی، من اور الّا و ما بھی نہیں پائے جاتے ہیں۔ الاشباہ والنظائر موجودہ مطبوعہ شکل میں قوامیس و معاجم کی عصری ترتیب پر ہے، لیکن ہوسکتا ہے بلکہ گمان غالب ہے کہ اصل مخطوطہ میں یہ ترتیب نہ ہو، بلکہ اس مخطوطہ کے پہلے مصری ناشر عبداللہ محمود شحاتہ نے اس کو یہ عصری ترتیب دی ہو۔ جب کہ اصل عربی کتاب فاضل مقدمہ نگار کے سامنے نہیں تھی تو اس سے متعلق پیش کردہ معلومات کا ان (مولانا قاسمی صاحب) کا ماخذ کیا تھا؟ ہوسکتا ہے کہ ان معلومات کا ماخذ وہ ''مختصر یادداشت'' ہو جو انہیں مرحوم مترجم کے داماد خواجہ معین عزمی سے ملی تھی، جس کا ذکر انہوں نے صفحہ ۱۸ پر کیا ہے کہ اگر یہ یادداشت نہ ملی ہوتی تو یہ مقدمہ مزید تشنہ رہتا۔''

مقدمۂ کتاب پر ہماری گفتگو بہت طویل ہوگئی ہے، اب مزید کچھ کہنا مناسب نہیں لیکن یہ ضرور عرض کروں گا کہ مقدمہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مقدمہ نگار قاری کی مدد کرے اس طرح کہ موضوع اور کتاب سے متعلق حقائق اس کے سامنے آجائیں لیکن زیرِ نظر کتاب کے مقدمہ نگار اس میں بڑی حد تک ناکام رہے ہیں، بلکہ یہ کہنا

بے جا نہ ہوگا کہ یہ بڑی حد تک ایک گمراہ کن مقدمہ ہے۔ اب جہاں تک اصل کتاب، اس کے مضامین ومطالب اوراس کی ترتیب کا تعلق ہے تو اس بارے میں چند اہم سوالات ہیں جن پر ناشر کے مقدمے میں کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ مرحوم مترجم ابوالنصر خالدی کا تو کتاب پر کوئی مقدمہ یا تعارف سرے سے ہے ہی نہیں کہ ان سوالات کا جواب ملتا۔ سوالات یہ ہیں:

۱۔ عربی زبان میں وہ الفاظ جو ہمزہ سے شروع ہوتے ہیں وہ الف سے لکھے جاتے ہیں اور الف پر ہمزہ لکھنا ضروری ہوتا ہے جیسے أکل، أخذ، أمر۔ کتاب میں کہیں تو اس قاعدے پر عمل کیا گیا ہے، جیسے لفظ أثم، أمر، أمن (أ ث م، أم، أم ن) اور کہیں تنہا ہمزہ لکھا گیا ہے، جیسے ء خ ذ۔ ء خ ر وغیرہ، اور کہیں صرف الف لکھا گیا ہے، جیسے اح د، ارض، اول۔ یہ ابتریِ کتابت نا قابلِ فہم ہے، کیا اصل کتاب میں ہی اس طرح ہے، یا اردو ترجمے میں یہ طباعت کی اغلاط ہیں؟ بہرحال املاء: ء خ ذ، ء خ ر، ء و ی، ء ی ی تو میں نے صرف اس کتاب میں پہلی بار دیکھا ہے۔

۲۔ وہ آیاتِ قرآنی جن میں وہ الفاظ ہیں جن کے معانی مقاتل نے بتائے ہیں کیا وہ مصنف کی پیش کردہ ہیں، یا مصری محقق کی یا ابوالنصر محمد خالدی کی؟

۳۔ آیاتِ قرآنی کے نمبر تو گمان غالب ہے کہ مصری محقق وناشر کتاب نے دیے ہوں گے کیونکہ تصنیف کے زمانے ہیں بلکہ صدیوں سے عصر حاضر تک آیات کے نمبر دینے کا رواج نہ تھا۔

۴۔ مصنف یعنی مقاتل بن سلیمان (م: ۱۵۰ھ) نے جن الفاظ (جو کتاب میں سب کے سب افعال کی شکل میں دیے گئے ہیں) کے معانی بتائے ہیں، ان کے ساتھ ساتھ کتاب میں فعل کا باب بھی بتایا ہے، مثلاً یہ فعل باب نصر سے ہے یا یہ باب فتح سے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان ابواب کا ذکر مقاتل کے قلم سے نہیں ہوسکتا کیونکہ اس زمانے میں ابواب تو کیا علم نحو بھی مرتب ومدون نہیں ہوا تھا، سیبویہ نے اپنی الکتاب بھی مقاتل کی موت کے کافی بعد لکھی تھی، چوتھی صدی ہجری کے مشہور وممتاز لغت نویس احمد بن فارس نے اپنی بے نظیر تصنیف معجم مقاییس اللغۃ میں بھی ان ابواب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن غالباً پہلی مرتبہ اس صدی کے دوسرے زیادہ مشہور لغت نویس جوھری صاحب الصحاح نے اپنی اس لغت میں بعض افعال کے ابواب کا ذکر کیا ہے، اور اس لغت الصحاح کا ساتویں صدی ہجری کے ایک لغت نویس محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی نے مختار الصحاح

کے نام سے اختصار کیا ہے۔جس کے مقدمہ میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ جن افعال کا وزن یا باب جوھری نے نہیں بتایا ہے، وہ انہوں نے اس مختار میں ذکر کر دیے ہیں۔لیکن یہاں بھی قابل ذکر بات یہ ہے کہ مختار الصحاح میں جن افعال کو میزان بنایا گیا ہے وہ ضرب، سمع، نصر، فتح، کرم اور حسب نہیں بلکہ ضرب اور سمع کو چھوڑ باقی موازین: قطع، طرب، ظرف اور وثق ہیں۔

اب معلوم نہیں افعال کے یہ ابواب مصری محقق و ناشر کتاب عبداللہ شحاتہ نے دیے ہیں یا یہ مرحوم ابوالنصر محمد خالدی کا اضافہ ہے۔اس طرح ان صرفی اصطلاحات، مثال، ناقص، لفیف، لازم و متعدی وغیرہ کا معاملہ ہے جو شروع ہی میں مذکورہ عربی الفاظ (افعال) کے ساتھ دی گئی ہیں۔یہ بھی مصنف کے عہد یعنی دوسری صدی ہجری کے نصفِ اوّل کی اصطلاحات نہیں بلکہ بہت بعد میں جب علم نحو و صرف وجود میں آیا تو اس وقت یہ اصطلاحات عام ہوئیں۔اس کے بارے میں بھی معلوم نہیں کہ ان اصطلاحات کا ذکر مصری ناشر کا اضافہ ہے یا مترجم کا۔مقدمہ نگار مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب نے بھی اس موضوع پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے۔

اب جہاں تک مقاتل بن سلیمان کی شخصیت اور علمی مرتبہ کا تعلق ہے تو اگر چہ وہ اپنی تفسیر کی وجہ سے قدیم اہل علم میں شہرت رکھتے ہیں، اور امام شافعی نے بھی ان کی اس حیثیت سے تعریف کی ہے اور جیسا کہ ابن خلکان نے کہا ہے: ''وقد اختلف العلماء فی امره، فمنهم من وثقه فی الرواية ومنهم من نسبه إلى الكذب'' (علماء کا ان کے بارے میں اختلاف ہے، ان میں سے بعض نے ان کو روایت کرنے میں ثقہ کہا ہے اور بعض نے ان کو دروغ بیان کہا ہے''، (وفیات، ج۵،ص۲۵۶)۔لیکن جن ائمہ اور علماء نے مقاتل کو نا قابل اعتبار قرار دیا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔خود ابن خلکان نے اپنی کتاب میں گیارہ مشہور علماء و محدثین کے اقوال جن میں بخاری، نسائی، امام احمد، وکیع، یحییٰ بن معین، اور ابو حاتم الرازی وغیرہ شامل ہیں، مقاتل کے کذّاب ہونے پر نقل کیے ہیں اور مشہور و معتبر محدث و ناقد ابن حبّان البستی نے تو تصریح کی ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ سے قرآن کریم کا وہ علم اخذ کرتے تھے جو ان کی کتب مقدسہ کے مطابق ہے اور وہ مُشبہہ (تجسیم خداوندی کے قائل) میں سے تھے، اور اس سب کے ساتھ روایتِ حدیث میں کذب سے کام لیتے تھے'' (ابن خلکان، وفیات، ج۵،ص۲۵۷)۔امام ذھبی نے سیر اعلام النبلاء (ج۷،ص۲۰۲) میں مقاتل کے کذب کی بعض روایات نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا ہے: ''قلتُ أجمعوا على تركه'' (میرا کہنا ہے کہ سب لوگ متفق ہیں کہ اس سے کوئی بات نہ لی جائے)۔

ساتھ ہی انہوں نے امام ابوحنیفہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ: ''مشرق سے ہمیں دو بیہودہ آراء ملی ہیں: ایک تعطیل (۱) کا قائل جہم اور دوسرا تشبیہ کا قائل مقاتل۔''

یہ بات یاد رہے کہ مقاتل بلخ (موجود مزار شریف جو مغربی افغانستان میں ہے) کا باشندہ تھا۔ یمنی قبیلہ ازد کا مولیٰ (حلیف) تھا اور بصرہ میں آ کر بس گیا تھا۔ بلخ اُس وقت مشرقی ایران کے صوبہ خراسان میں شامل تھا اس لیے مقاتل کو خراسانی بھی کہا جاتا ہے۔ بصرہ دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں، جو مقاتل کی پختگی عمر کا زمانہ ہے، علم وثقافت کا بڑا مرکز تھا، ساتھ ہی یہاں ان علمی نظریات کو بھی فروغ ملا جو جمہور اہل اسلام کے عقائد کے خلاف تھے۔ ان میں مشہور ترین نیا عقائدی نظریہ ''اعتزال'' تھا جس کا موجد امام حسن البصری کا ایک ''ناخلف'' شاگرد واصل بن عطاء اور اس کا رفیق و پیروکار عمرو بن عبید تھا۔ ان کو ''معتزلہ'' اور ساتھ ہی ''قدریہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ اس دور میں قرآن کریم ہی ساری فکری کاوشوں کی جولانگاہ تھا، لہٰذا مقاتل بن سلیمان نے بھی قرآن کریم سے متعلق علوم کو ہی کو اپنی فکری وعملی کاوشوں کا مرکز بنایا۔ لیکن یہ ملحوظ خاطر رہے کہ مقاتل کا شمار اسی دوسری صدی ہجری کے ائمہ لغت خلیل بن احمد الفراھیدی (کتاب العین، اولین عربی لغت کا مصنف)، الفراء (م: ۲۰۷ھ)، ابوعبیدۃ معمر بن المثنیٰ (م: ۲۱۰ھ) وغیرہ میں نہیں تھا، موخرالذکر دونوں وہ ائمہ لغت وتفسیر ہیں جن کی علی الترتیب کتابیں معانی القرآن ومجاز القرآن مطبوع ومتداول ہیں اور غریب القرآن کے نام سے دوسری کتب اب تک مخطوط ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ مقاتل بن سلیمان کی تفسیر اور کتبِ لغتِ قرآن کو اس کی فکری گمراہی (عقیدۂ تجسیم) اور زبان دانی میں عدمِ مہارت کی وجہ اور تفسیرِ معانی قرآن میں شاذ آراء کی وجہ سے اہلِ سنت میں قبولِ عام حاصل نہ ہوسکا۔ مقاتل کی تفسیر اور موجودہ کتاب الوجوہ والنظائر کی ساری اہمیت اس وجہ سے ہے کہ ان کا شمار اوّلین تصنیفات میں ہے۔ تفسیر قرآن پر کتابیں تو مقاتل سے پہلے تابعی مفسرّین، مجاہد، ضحاک، عکرمہ، الحسن البصری وغیرہ کی بھی ہیں جن کا ذکر ہمیں الندیم (م: بعد ۳۸۰ھ) کی کتاب الفہرست اور علامہ فؤاد سیزگین کی تاریخ التراث العربی (اصل جرمن سے عربی ترجمہ) میں، جو بروکلمان کی جرمن زبان میں کتاب تاریخ الادب العربی پر ایک انتہائی وقیع اضافہ ہے، ملتا ہے بلکہ ان تابعین کے استاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر بھی

---

۱) تعطیل سے مراد قرآن وحدیث میں مذکورہ صفاتِ الٰہی کا انکار ہے، خراسان کے جہم بن صفوان نے اس بدعت کو شروع کیا اور اس کو ماننے والے مُعطلہ کہلائے، اور اسی زمانے میں مقاتل نے صفات خداوندی کو صفات مخلوق سے تشبیہ دی اور اس کو ماننے والے مُشبّہہ یا مجسّمہ کہلائے۔

مطبوع ہے (اگرچہ بعض علماء اس کی نسبت میں شک کرتے ہیں) لیکن لغات قرآن پر شائع ہونے والی یہ ایک قدیم ترین کتاب اور ایک خاص علم ''الوجوہ والنظائر'' پر اولین تصنیف ہے، اس لیے اس کی بہت اہمیت ہے، اور اسی لیے اس کا یہ تفصیلی جائزہ ضرور سمجھا گیا۔

افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے سامنے اصل عربی کتاب موجود نہیں، اور اردو ترجمے میں مرحوم ابو النصر محمد خالدی نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کافی تصرّف کیا ہے، لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کتاب کے اردو ترجمے ہی پر اعتماد کیا جائے۔ اگرچہ ابوالنصر محمد خالدی نے ترجمہ کرتے وقت کہیں کہیں مصنف پر تنقیدی آراء بھی پیش کی ہیں، لیکن ان کا کام چونکہ کتاب کی تحقیق نہ تھا اس لیے انہوں نے اس قدیم لغات میں پیش کردہ بعض غیر مقبول معانی کا تقابل دوسری مستند لغاتِ قرآن اور کتبِ لغت سے نہیں کیا۔ ہم نے کہیں کہیں کچھ الفاظ کا تقابل راغب الاصفہانی کی مفردات اور احمد بن فارس (م: ۳۹۵ھ) کی معجم مقاییس اللغة اور لسان العرب اور القاموس سے کیا تو اندازہ ہوا کہ کیوں ہمارے قدیم و مستند مفسّرین امام طبری اور قرطبی نے مقاتل بن سلیمان کو لائق التفات نہیں سمجھا۔ امام طبری کا اعتماد بیشتر تابعی مفسرین مجاہد، قتادہ، سعید بن جبیر، حسن البصری اور ابوالعالیہ وغیرہ پر ہے۔

امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب (تفسیرِ کبیر) میں مقاتل بن حیان اور مقاتل بن سلیمان دونوں کی تفاسیر سے استفادہ کیا ہے، لیکن انہوں نے کہیں تو ان دونوں قدیم مفسرین کو ان کے پورے ناموں سے ذکر کیا ہے اور کہیں صرف مقاتل کے نام سے۔ اہل علم کے لیے یہ بڑی خوش خبری ہے کہ دارالفکر، بیروت نے نئے اسلوبِ طباعت میں یہ تفسیر شائع کرنے کے ساتھ دو اجزاء (جلد ۳۳، ۳۴) میں تیرہ علمی فہارس (Indices) بھی تیار کرادی ہیں۔ مکۂ مکرمہ کے المکتبۃ التجاریہ نے دارالفکر کے تعاون سے اس عظیم تفسیر کو سترہ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ انڈکس یا فہرسِ اعلام میں جہاں ان دونوں مفسّرین کے پورے نام شائع کیے ہیں، ان کے تتبّع سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقاتل بن حیّان کے اقوال سے استشہاد بارہ مرتبہ جب کہ مقاتل بن سلیمان سے صرف نو مرتبہ کیا گیا ہے، لیکن بیسیوں دیگر مقامات پر صرف مقاتل کے اقوال ہیں یہ کسی محقق کا کام ہے کہ وہ مطبوعہ تفسیرِ مقاتل بن سلیمان سے ان تمام مقامات کا تقابل کرے جہاں صرف مقاتل نام آیا ہے، ہمارا ذاتی خیال ہے کہ امام رازی نے زیادہ اقوال مقاتل بن حیّان کے ہی نقل کیے ہوں گے جن کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے۔

ہم نے تفسیرِ کبیر میں انڈکس (فہرسِ اعلام) کے مطابق نو مقامات پر مقاتل بن سلیمان کے اقوال کا تتبع کیا تو پتہ چلا کہ دو مقامات پر امام رازی نے مقاتل پر تنقید کی ہے، ایک جگہ (تفسیر کبیر، ۳/مجلد ۲، ص ۱۵۶) اہل الکبائر کے متعلق معتزلہ کا قول نقل کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ: "القول الشاذ لمقاتل بن سلیمان بان اهل الكبائر لا وعيد لهم" (مقاتل بن سلیمان کا شاذ قول یہ ہے کہ اہلِ کبائر کے لیے کوئی وعید نہیں)، اور ایک دوسری جگہ (تفسیر کبیر، ۳۶/۱۸، مجلد ۹) سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السّلام کے جیل میں رہنے سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ''حتی حین'' کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ "الى انقطاع المقالة" (جب تک یوسف علیہ السلام کے خلاف اشاعات بند نہ ہو جائیں) اور ''حتی حین'' کی تفسیر میں ۵ سال، ۷ سال اور مقاتل بن سلیمان کا ۱۲ سال کا قول نقل کرنے کے بعد مقاتل کا قول ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والصحيح ان هذه المقادير غير معلومة (اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کے جیل میں رہنے کی مدت معلوم نہیں)۔

اب جب ہم اصل کتاب (اردو ترجمہ) کھولتے ہیں تو ہمیں اس میں باب الف میں پندرہ الفاظ کے اندراجات نظر آتے ہیں، ان میں بھی اگر ہم اُذن، اُمر اور اوّل کے مکرر ابواب کو حذف کر دیں تو یہ صرف بارہ ابواب رہ جاتے ہیں۔ اس کا تقابل جب مفرداتِ راغب الاصفہانی سے کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس حرف الف کے باب کے ستر (۷۰) اندراجات (entries) ہیں۔ اس طرح کتاب الاشباہ والنظائر (الوجوہ والنظائر) کوئی جامع لغتِ قرآنی نہیں، یہی نہیں اس میں وہ تمام الفاظ بھی نہیں جو قرآن میں ایک سے زیادہ مرتبہ آئے ہیں اور جن کے مختلف وجوہِ معانی ہیں۔ جیسے افك، افل، الف، اذى، اكل وغیرہ۔ اور حیرت کی بات ہے کہ یہاں مصنف یا مترجم نے لفظ ''بؤس'' کو باب الف میں لکھا ہے، جب کہ یہ باب الباء میں ہونا چاہیے۔ باب الف کے پہلے لفظ أثم (أ ث م) پر جب نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ''اثم'' کے وضعی معنی دیے ہیں: ''اونٹنی کا دھیرے دھیرے چلنا، اونٹنی کی سست رفتاری، اس کا گلے سے پیچھے رہ جانا، بھلائی کرنے میں دیر کرنا، کوتاہی کرنا یا رک جانا، کرنے کا کام نہ کرنا، جرم، گناہ۔'' لیکن اس کے فوراً بعد لکھا ہے: تفسير الإثم على خمسة وجوه (لفظ اثم کے پانچ تفسیری معانی ہیں): شرک، معصیت، ذنب، زنا، خطا۔

اب ان وضعی وتفسیری معانی پر تحقیقی روشنی ڈالی جائے تو ان میں سے بعض تو مشترک ہیں اور بعض نادرست، جہاں تک وضعی معنی کا تعلق ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ ابن فارس (م: ۳۹۵) قدیم لغت نویس و مفسر

قرآن جن کی لغت معجم مقاییس اللغۃ اس حیثیت سے کتب لغت میں ممتاز ہے کہ وہ اس میں الفاظ کے اصلی وضعی معنی پہلے دیتے ہیں اور پھر دوسرے معانی، اور چار جلدوں میں ان کی تفسیر جامع تأویل القرآن (غیر مطبوع) ہے۔ وہ اثم کے جو معنی لکھتے ہیں وہی بعد کے دوسرے مشہور لغت نویسوں نے لکھے ہیں اور وہی درست معلوم ہوتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

''أثم: الهمزة والثاء والميم تدلّ على اسم واحد، وهو البطء والتاخّر يقال: ناقةٌ آثمة أى متأخرة۔ قال الاعشى: إذا كذب الآثمات الهجيرا'' (لسان العرب میں پورا شعر ہے): أثمت الناقةُ تأثمه اثما: أبطأت، وهو معنى قول الاعشى:

جُمالية تغتلي بالرِداف اذا كذب الآثماتُ الهجيرا

والاثم مشتق من ذلك، لأن ذاالاثم بطئ عن الخير متأخرمنه (معجم مقاییس اللغۃ، ج۱، ص۶۰)

اس طرح ان دونوں قدیم وعظیم ماہرین لغت نے ''اثم'' کے بنیادی وضعی معنی اونٹنی کا دھیرے دھیرے چلنا نہیں لکھے ہیں بلکہ بنیادی معنی ''سست روی اور تاخیر'' کے ہیں اور یہی معنی راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں دیے ہیں اور اس کو ایک جاھلی شاعر نے اونٹنی کی سست رفتاری کے لیے استعمال کیا ہے۔

اب جہاں تک دوسرے مشہور لغوی اور تفسیری معانی کا تعلق ہے، تو لفظ ''أثم'' کے معنی لغت اور قرآن میں ذنب (گناہ) ہی کے ہیں۔ شرک اور زنا کے معنی کسی نے نہیں لکھے ہیں۔ مقاتل نے جو آیت شرک کے معنی کے استشہاد میں پیش کی ہے، وہ کسی بھی قدیم وجدید مستند مفسرِ قرآن کے یہاں ہم نہیں پاتے۔ شیخ المفسرین امام طبری نے جو تابعی مفسرین کے اقوال کے شناور ہیں، انہوں نے مشہور تابعی مفسر سُدّی (اسماعیل) کے حوالے سے اس کے ایک تفسیری معنی کفر کے دیے ہیں، لیکن انہوں نے اگرچہ اس قول کو صحیح کہا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ صحیح تفسیر یہی ہے کہ وہ لوگ (یہودی) ہر قسم کی معصیت میں مبتلا تھے، کسی سے اجتناب نہیں کرتے تھے، خواہ وہ کفر ہو یا کچھ اور'' (ابن جریر طبری، تفسیر طبری (بیروت: دار الفکر، ج۶، ص۲۹۷، سورۃ المائدۃ:۶۲)۔ اور ''الاثم'' کے یہی معنی امام قرطبی نے بھی لکھے ہیں: ای یسابقون فی المعاصی والظلم (یہ یہودی) گناہوں اور ظلم میں سبقت کرتے ہیں، اور یہی معنی امام رازی نے بھی لکھے ہیں۔ البتہ زمخشری نے یہاں اس کے معنی کذب (جھوٹ) کے لکھے ہیں: بدلیل قوله تعالى: "عن قولهم الاثم"۔ اور 'قیل'' (کہا گیا ہے) کے صیغۂ تمریض کے ساتھ ایک معنی ''کلمة الشرك'' بھی ہوتے ہیں، لیکن زمخشری کی یہ بات جو انہوں نے صیغۂ تمریض سے پیش

کی ہے درست نہیں معلوم ہوتی کہ آیت زیرِ بحث یہودیوں کے بارے میں ہے، جیسا کہ اسی سورۃ (المائدۃ) کی آیات نمبر ۵۹، ۶۰، ۶۱ سے ظاہر ہے۔ اور آیت نمبر ۶۱ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے وصف میں کہا ہے: ''وَ اِذَا جَآءُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْکُفْرِ وَ ھُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ''(اور جب (اے نبیؐ) وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کفر میں ملوث ہی داخل ہوئے تھے اور اُسی کفر میں یہاں سے نکلے)۔ آگے کی آیت ۶۴ میں بھی ان کے لیے کہا گیا ہے: ''وَ لَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّ کُفْرًا"(اور جو اللہ کی طرف سے، اے نبی، آپ پر اتارا گیا ہے (قرآن) وہ ان کی سرکشی اور کفر میں اور اضافہ کرے گا)۔

اور جہاں تک اردو مفسرینِ قرآن کا معاملہ ہے تو ان میں سے کسی نے سورۂ المائدہ کی ان آیات ۶۲، ۶۳ کا وہ ترجمہ نہیں کیا ہے جو ابوالنصر محمد خالدی نے کیا ہے: ''اور تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ وہ اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک بناتے ہیں ان کے عالموں اور پیروں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان کو مشرکانہ باتیں کرنے سے روکتے نہیں''۔ پھر یہ بھی ایک جانی پہچانی حقیقت ہے کہ یہودیوں نے اپنی تاریخ میں کفر تو ضرور کیا ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس سے پہلے عیسیٰ علیہ السّلام کو نبی تسلیم نہ کرنا کفر تھا، لیکن انہوں نے بحیثیتِ عمومی شرک نہیں کیا۔ قرآن کریم نے ان کے کفر کا ذکر تو بیشتر مقامات پر کیا ہے، شرک کی تصریح کہیں نہیں کی۔ حضرت عزیر علیہ السّلام کو اللہ کا شریک کہنے والا ایک چھوٹا یہودی فرقہ تھا، تمام یہودی نہیں۔ اس طرح ان کی عجل سامری (سامری کے بنائے ہوئے سونے کے بچھڑے) کی پرستش بھی چند دنوں کی بات تھی اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کے بعد کچھ یہودیوں میں بعل کی پرستش بھی چند برسوں کی بات تھی اور جہاں تک، دوسرے معانی: ذنب، معصیت، خطا کا تعلق ہے تو ذنب اور معصیت تو مترادف ہیں۔ قرآن میں ہے: وعصی آدم ربه فغویٰ (سورۃ طٰہٰ: ۱۲۱) اور دوسری جگہ آدم وحواء علیہ السّلام کی زبانی ارشادِ ربانی ہے: ''ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین" (الاعراف: ۲۰) اور استغفار ''ذنب'' ہی سے کی جاتی ہے، جیسے قرآن کی دسیوں آیات میں ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ خطا بھی ذنب و معصیت کے مترادف ہے۔ قرآن میں عزیزِ مصر کی زبانی اپنی بیوی کے لیے ہے: ''واستغفری لذنبك انك كنت من الخاطئين" (سورۂ یوسف: ۲۹)۔ یہاں اس کو خطا کار ہونے کی بنا پر اپنے گناہ سے استغفار کا حکم ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ خطا قرآن میں نادانستہ گناہ کرنے کے لیے بھی آیا ہے:

''ومن قتل مؤمنا خطأً فتحرير رقبة مؤمنة"(النساء:۹۲)۔

البتہ اثـم زنا کے معنی میں قرآن میں کہیں نہیں آیا ہے، اور یہاں تو یہ معنی ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ اس سے پہلے اور بعد کی آیت حرام وحلال گوشت سے متعلق معنون ہے۔ یہاں ''ظاهر الاثم و باطنه'' کے معنی ہیں کہ حرام کھانا جس کی اجازت تمہیں اضطرار کی حالت میں دی گئی ہے، اس کو علانیہ تو نہیں کھاؤ گے لیکن چھپ کر بھی نہ کھاؤ۔ یہاں ابوالنصر محمد خالدی مرحوم نے ''ملحوظہ'' کے تحت مقاتل کی گرفت صحیح کی ہے کہ یہاں تو ذبیحہ کی بات چل رہی ہے زنا کا کوئی ذکر نہیں۔

بڑی مشکل یہ ہے کہ مترجم کتاب ابوالنصر محمد خالدی مرحوم نے اپنے اقوال کو مصنف مقاتل بن سلیمان کی تحریر کے ساتھ ایسا گڈمڈ کر دیا ہے کہ بعض اوقات ان میں تمیز کرنا کافی مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً صفحہ ۴۲ پر لفظ اذن کے نیچے انہوں نے لفظ اذان کا ذکر کیا ہے کہ مصنف یعنی مقاتل بن سلیمان کے مطابق اس کے تفسیری معنی دو ہیں: اِسـمـاعـاً - کان دھرنا، اور دوسرے معنی اذان کے ''نداء، پکار'' دیے ہیں۔ پہلے معنی کے لیے مصنف نے سورۃ الانشقاق کی آیت نمبر۲: ''وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ'' کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک ذیلی عنوان تنبیہ کے تحت لکھتے ہیں:

> مقاتل نے اذان کا مترادف اسماعاً دیا، اذان کا مجرد اور مزید فیہ ایذاناً۔ افعال ہمیشہ ایک معنی میں نہیں آتا--- چنانچہ بعض رسالے اس موضوع پر بھی لکھے گئے ہیں، مقاتل نے اذان لکذا کے معنی بتائے ہیں اور یہ بالکل درست ہیں۔

ابوالنصر محمد خالدی کی یہ ''تنبیہ'' (نوٹ) جو متن کتاب ہی میں ہے بے محل ہے، کیونکہ جو آیت قرآنی ''وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ"استشہاد میں پیش کی گئی ہے، اُس میں صیغۃ آذن (مد کے ساتھ) نہیں ہے، بلکہ حرفِ جر (لِ) کے صلے کی وجہ سے اس کے معنی سننا ہوئے ہیں۔ لسـان العرب میں مادۂ (اذن) میں اس آیت کو پیش کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ای استمعت''۔ جہاں تک اذان بمعنی ایذان کا تعلق ہے تو صاحب لسان العرب نے صراحت کی ہے: والأذان: اسم يقوم مقام الايذان، وهو المصدر الحقيقي۔ اور اذان کا لفظ بمعنی ''اعلام'' (خبر دینا)- اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ نماز کے لیے جو اذان دی جاتی ہے اس کا یہی معنی ہے کہ خبر دی جارہی ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ علاوہ ازیں (أذن) کے ایک اہم لغوی اور تفسیری معنی "علـم" (جاننے) کے بھی ہیں جو تمام کتبِ لغت میں مذکور ہیں۔ بلکہ مشہور لغت نویس ابن فارس نے تو لفظ (أذن) کے دو بنیادی لغوی معنی بتائے

ہیں: سننا اور جاننا (معجم مقاییس اللغۃ، ج۱،ص۶۵)۔قرآن میں یہ لفظ علم کے معنی میں قرآن کی آیت: فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (البقرہ:۲۷۹) میں ہے یہاں فاذنوا کے معنی ہیں: جان رکھو (لسان العرب)۔اس مادہ (اذن) سے متعلق عجیب بات کتاب میں یہ ہے کہ اس کو نہ معلوم کیوں دو فصول (۳۹-۴۱ اور ۴۲-۴۳) میں ایک ہی عنوان: ''باب الھمزۃ، فصل الذال'' کے تحت ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ لفظ ایک ہی ہے۔ مزید یہ کہ مصنف مقاتل بن سلیمان نے اس مادّے اور اس کے دوسرے اشتقاقات، جو قرآن میں مذکور ہیں، ان کے تفسیری معانی نہیں لکھے ہیں جیسے اُذُن یعنی کچے کانوں والا (سورۃ التوبۃ:۴۱) اور تأذّن یعنی بتادیا ہے (سورۃ ابراھیم:۷) وغیرہ۔ابوالنصر محمد خالدی نے کتاب کے اس نقص پر کوئی ''تنبیہ'' یا ''ملحوظہ'' نہیں لکھا ہے، اگرچہ اکثر وہ ایسا کرتے ہیں۔

مادہ (ارض) ۴۴-۴۹ کے تحت مصنف کا قول نقل ہے کہ ''ارض کے تفسیری معنی سات (۷) ہیں'' جو ارض الجنۃ، ارض الشام، ارض المدینۃ وغیرہ نمبروار ہیں''۔لیکن نمبر۴ دے کر ارض مکہ نہیں لکھا گیا جس کے لیے سورۃ النساء کی آیت ۹۷ لکھی گئی ہے، اور نہ ہی نمبر۵ میں ارض مصر لکھا گیا ہے جس کے لیے مصنف نے سورۂ قصص و غافر کی آیات درست طور پر دی ہیں۔ یہاں صفحہ ۴۸ پر مترجم کتاب ابوالنصر محمد خالدی کا سورۂ قصص کی آیت: ''وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ'' پر جو مصنف نے یہاں ارض مصر کے استشہاد کے لیے پیش کی ہے یہ اعتراض کہ ''اس مقام پر ارض مکہ لینا اقرب إلی الصّواب ہے نہ کہ ارض مصر'' قطعاً اور بداھۃً درست نہیں۔ارض مصر ہی آیت کا مقصود ہے کیونکہ وہیں بنی اسرائیل مقہور و مغلوب تھے، اور ذکر فرعون کے ظلم و استکبار اور بنی اسرائیل کی مغلوبیت کا ہے۔البتہ ان کا مصنف پر دوسرا اعتراض کہ ''اِنَّ يَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ'' (الکہف:۹۴) میں ارض سے مسلم ملک مراد لینا صحیح نہیں، درست ہے۔

صفحہ ۵۹ پر لفظ اَمر کے بہت سے تفسیری معانی میں سے ایک معنی مقاتل نے عیسیٰ علیہ السّلام بتائے ہیں اور اس کے استشہاد کے لیے سورۂ البقرہ کی آیت نمبر ۱۱۷ پیش کی ہے۔آیت کریمہ میں ان عیسائیوں کے قول کی تردید ہے جو عیسیٰ علیہ السّلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں'' بلکہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ اُسی کا ہے، سب اس کے فرماں بردار ہیں اور جب وہ کوئی فیصلہ فرمالیتا ہے تو اس کے لیے کُن کہتا ہے اور وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے''۔''توضیح'' کے مستقل ذیلی عنوان کے تحت اس کا ترجمہ دینے کے بعد وہ ذیلی عنوان ''تشریح'' کے تحت لکھتے ہیں: قال مقاتل:

''اذا قضی امر"۔أ یعنی عیسی کان فی علم الله ان یکون من غیر اب"،اس کی مترجم پھر''توضیح'' کے تحت چار سطروں میں تشریح کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ان کی یہ تشریح بالکل غیر ضروری ہے، کیونکہ پہلی توضیح یعنی تفسیری ترجمہ سے بات واضح ہوگئی تھی۔ یہاں مترجم ابوالنصر محمد خالدی نے اپنی بات مصنف کی بات سے ملادی ہے یہی وہ چیز ہے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا تھا۔

صفحہ ۶۴ لفظ امر کے معانی لکھے ہیں،''بات،کلام،معاملہ،شُی''۔کلام کے بجائے یہاں کام ہونا چاہیے، کیونکہ اس معنی کے استشہاد کے لیے مصنف نے جو دو آیات سورۂ الشوریٰ اور سورۂ آل عمران کی پیش کی ہیں جن میں لفظ امور وامر آیا ہے،اس کا ترجمہ جناب مترجم نے''کام'' کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سورۂ الشوریٰ کی آیت ۵۳ کا ترجمہ دیا گیا ہے:''سنتا ہے،اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام''اور اسی طرح آل عمران کی آیت ۱۵۴ کا ترجمہ مولانا محمود حسن دیو بندیؒ کا کیا ہوا ترجمہ ہے،مترجم کتاب ابوالنصر محمد خالدی نے ان کا نام یہاں نہیں دیا۔ اردو میں ان آیات کا بہتر ترجمہ وہ ہے جو مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں دیا ہے یعنی ''سارے معاملات اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں''[ہوں گے]۔

صفحہ ۹۱ پر لفظ"برھان" کے بارے میں لکھا ہے:''یقینی طور پر یہ بتانا مشکل ہے کہ آیا یہ سہ حرفی (ثلاثی) ہے یا رباعی---اس کا خالص عربی الاصل ہونا بھی مشکوک ہے۔''

راقم الحروف کو یہ قول مقاتل کا نہیں معلوم ہوتا، بلکہ غالباً یہ بات محقق کتاب عبداللہ شحاتہ نے کہی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ کتب لغات،قاموس،لسان العرب وغیرہ میں اس کی اصل کبھی ثلاثی بَرِہَ اور کبھی رباعی لکھی گئی ہے،لیکن ملحوظ رکھنے کی بات یہ ہے کہ صاحب لسان العرب نے قدیم تر لغت نویس الازھری (م:۳۷۰ھ) کے حوالے سے اس کی اصل:بَرھَن لکھی ہے،یعنی یہ رباعی الاصل ہے، جیسے دحرج وبعثر وغیرہ۔ الازھری کی ضخیم لغت تہذیب اللغة متعدد جلدوں میں طبع ہوچکی ہے،وہ اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں،صاحب لسان العرب نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ برھان فُعلان کے وزن پر مصدر ہے جیسے رجحان،عمران وغیرہ اور برھن کے معنی ہیں أقام الحجة (دلیل دی)۔ یہ بات تو کسی طرح قابل قبول نہیں کہ:''اس کا خالص عربی الاصل ہونا مشکوک ہے۔'' کیونکہ وہ قدیم مصنفین جنہوں نے معرّب اور عربی زبان میں دخیل (غیر عربی الفاظ) پر کتابیں لکھی ہیں جیسے الجوالیقی کی المعرّب اور الخفاجی کی شفاء الغلیل ان میں "برھان" کا ذکر نہیں،اور نہ سیوطی نے الاتقان میں

برھان کا ذکران الفاظ کی فہرست میں کیا ہے جو غیر عربی ہیں اور قرآن کریم میں آئے ہیں۔ قرآن میں لفظ **برھان** سات بار آیا ہے۔ کسی مفسّر نے یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ لفظ غیر عربی الاصل ہے۔ کتاب کے اس بیان پر ناشر کتاب (اردو ترجمہ) مولانا عطاءالرحمٰن قاسمی کا حاشیہ بڑا دلچسپ اور حیران کن ہے، جو یہ ہے:

''فاضل مصنف نے لفظ بـرھـان کے بارے میں، خالص عربی الاصل ہونے کو مشکوک قرار دیا ہے، لیکن اس کے اصل ماخذ و مصدر کی کوئی وضاحت نہیں کی۔''

''فاضل مصنف'' سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ (مولانا عطاءالرحمٰن قاسمی) ابوالنصر محمد خالدی ہی کو کتاب کا مصنف سمجھ رہے ہیں بہر حال موصوف کے اس مختصر حاشیے سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ بہت سے قدیم محققین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو معروف غیر عربی الاصل الفاظ قرآن میں آئے ہیں، جیسے سجّیل، سندس، استبرق، اور قطاس وغیرہ وہ قرآن اور عربی زبان میں استعمال ہونے کے سبب اور ان کی عربی شکل ہو جانے کی وجہ سے اب عربی الفاظ ہیں، ان کو غیر عربی کہنا درست نہیں۔ مصنف، محقق اور مترجم میں سے کسی کا بھی خیال تھا کہ لفظ برھان غیر عربی الاصل ہے تو اس کا فرض تھا کہ اس لفظ کی اصل بیان کرتا۔

ہم نے اس تنقیدی جائزے کی ابتداء میں کتاب میں بعض نحوی اصطلاحات کی بنا پر شک کا اظہار کیا تھا کہ یہ اصطلاحات مقاتل ابن سلیمان کے قلم پر نہیں آسکتیں، کیونکہ اس کے زمانے یعنی دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں نحو مرتب نہیں ہوئی تھی، بلکہ سیبویہ کی کتاب بھی مقاتل کی وفات کے کافی بعد شائع ہوئی تھی اور ہم نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ان نحوی اصطلاحات کا اضافہ مترجم کتاب ابوالنصر خالدی یا محقق کتاب عبداللہ محمود شحاتہ (مصری) کے قلم سے ہے۔ لیکن کتاب میں بکثرت مقاتل کے اسم کے ورود اور عبداللہ محمود شحاتہ کے مقاتل کے نام سے کتاب شائع کرنے کے سبب کتاب کو اس قدیم مفسّر کی تصنیف کہا تھا مگر اب کتاب کے باب الجیم، فصل العین پر نظر ڈالنے سے ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب مقاتل بن سلیمان کی تصنیف ہی نہیں۔ کیونکہ اس میں لفظ ''جـــعــــل'' کی مناسبت سے ہے کہ: ''لغت و نحو کی بعض کتابوں میں اس پر مفصل بیان ملتا ہے (ص ۱۱۹)۔'' یہ جملہ اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہے کہ یہ کتاب مقاتل بن سلیمان کی تصنیف نہیں، کیونکہ اس وقت تک یعنی سنہ ۱۵۰ھ سے قبل لغت و نحو پر کوئی کتابیں نہیں لکھی گئی تھیں۔ صفحہ ۱۱۹ پر جو نحوی تشریحات لفظ ''جعل'' سے متعلق ہیں وہ ہمارے شک کی تائید کرتی ہیں، الا یہ کہ یہ سب کچھ مترجم کتاب یا محقق کتاب نے لکھا ہو۔

صفحہ ۱۲۰ پر دونحویوں کے ذکر سے ہمارا یہ شک یقین سے بدل جاتا ہے کہ یہ کتاب مقاتل بن سلیمان کے قلم سے نہیں۔ان میں پہلے نحوی ابوحیّان (م:۷۴۵ھ) ہیں۔متن کتاب میں ہے:''انہیں رجحانی افعال میں ایک "جعل" بھی ہے۔ابوحیّان نے منھج المسالك میں اس جعل کا شاہد سورۃ الزخرف کی ۱۹ویں آیت سے دیا ہے۔'' کتاب منھج المسالك کا پورا نام ہے:منھج المسالك فی الکلام علی الفیة ابن مالك ،اور یہ ابوحیان مشہور نحوی ومفسّر ابوحیّان النحوی الاندلسی ہیں جن کی وفات قاہرہ میں ۷۴۵ھ میں ہوئی۔اس کے فوراًبعد دوسری سطر میں ہے:''الفیہ کی شرح ابن عقیل میں بھی یہی ہے۔'' شرح ابن عقیل نحو کی مشہور کتاب ہے جو عرب ممالک میں ایک درسی کتاب ہے،ابن عقیل کی وفات ۷۶۹ھ میں ہوئی۔

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کتاب جس میں آٹھویں صدی ہجری کے دو مصنّفوں اور ان کی کتابوں کا ذکر ہو اس کو دوسری صدی ہجری کے ایک مفسر مقاتل بن سلیمان (وفات ۱۵۰ھ) کی تصنیف قرار دیا جائے؟ہمارا خیال ہے کہ یہ کتاب نویں صدی ہجری یا بعد کے کسی مصنف کی تصنیف ہے۔کتاب کے محقق عبداللہ محمود شحاتہ (مصری) نے اس کو مقاتل بن سلیمان کے نام سے چھاپ دیا ہے،اور اسی کا ترجمہ ابوالنصر محمد خالدی نے اردو میں کیا۔کتاب کے اندر مترجم یا محقق کے قلم سے بار بار مقاتل کا نام آتا ہے۔ہم ایک بار پھر حیرت واستعجاب کا اظہار کرتے ہیں کہ کتاب کے ناشر،مقدمہ نگار،مُعلِّق اور مصحّح کو کتاب کے صفحہ ۱۲۰ پر صدیوں بعد کے ان مذکورہ بالا دو مصنفین کے نام نظر نہیں آئے اور وہ مقدمہ کتاب میں برابر کتاب کو مقاتل بن سلیمان کی تصنیف کہتے رہے۔

صفحہ ۱۸۱ پر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۹''وَ لَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ---'' کا ترجمہ تفہیم القرآن سے ذیلی عنوان''توضیح'' کے تحت پیش کرنے کے بعد مترجم کتاب نے ذیلی عنوان''تشریح'' کے تحت،تین مثالیں: القتل اَبقی للقتل، القتل اوفیٰ للقتل، القتل انفع للقتل لکھی۔ان میں سے کوئی بھی مشہور عربی مثل نہیں، مشہور ومعروف مثل ہے:"القتل انفی للقتل" یعنی قصاص کے ایک قتل سے ثأر (انتقام) کے نتیجہ میں جو بہت سے قتل ہوتے ہیں وہ رک جاتے ہیں۔صفحہ ۲۵۷ پر لفظ سکن (س ک ن) کا ذکر ہے۔لیکن دوسری سطر میں ہے: ''تسکین کے تفسیری معنی چار ہیں۔'' تسکین تو سکن کا باب تفعیل ہے یعنی کسی کو سکون واطمینان دلانا۔اسی لیے جو معانی قرار ونزول وغیرہ نیچے بیان کیے گئے ہیں وہ سب غلط ہیں۔وہ معانی سکن کے ہیں۔

صفحہ ۲۶۰ پر لفظ سلط (س ل ط) کی تشریح میں لکھا ہے:''یہ لفظ عربی میں دخیل معلوم ہوتا ہے۔سلطان

غالباً اصلاً سلیط فعیل تھا نون زائد ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ سلیط جمع ہو جیسے رغیف کی جمع رغفان، خلیل کی جمع خلّان [اور] صبی کی جمع صبیان۔''

یہ ساری عبارت ''ظلمات بعضها فوق بعض'' (تاریکی در تاریکی) کا مظہر ہے۔ نہ معلوم کون اس عبارت کا خالق ہے، مقاتل بن سلیمان تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ عربی لغت کی تمام کتابوں میں مادۂ سلط سے سلطان کے اشتقاق کا ذکر ہے، جو فرقان، عمران، رجحان، قرآن کی طرح جو مواد فرق، عمر، رجح اور قرأ سے مشرق ہیں اسم مصدر ہے۔ عربی زبان میں سلاطة اللسان، اور سليط اللسان اور السلطة والسلطان کا استعمال بہت عام ہے۔ صاحب لسان العرب کے بقول صرف ایک لغوی محمد بن یزید (المبّرد) کا یہ قول ہے کہ سلطان سلیط کی جمع ہے، لیکن باقی أئمہ لغت اس کو سلط سے اسم مصدر قرار دیتے ہیں اور یہ قرآن میں دلیل و برھان اور اقتدار کے معانی میں ہے، صاحب لسان العرب ابن منظور نے المبّرد کا یہ شاذ قول نقل کرنے کے بعد کہا ہے: ''ولم يقل هذا غيره'' یعنی یہ بات (کہ سلطان سلیط کی جمع ہے) اس کے سوا کسی نے نہیں کی۔ مادہ سلط کے مختلف اشتقاقات قدیم جاہلی شعراء کے اشعار میں پائے جاتے ہیں جو لسان العرب میں دیے گئے ہیں، اس لیے یہ کہنا کہ یہ لفظ عربی میں دخیل معلوم ہوتا ہے قطعاً غلط بات ہے جوالیقی اور خفاجی نے اپنی ان مذکورۂ سابق کتابوں میں جو عربی زبان میں غیر عربی الاصل الفاظ سے متعلق ہیں لفظ سلطان کو شامل نہیں کیا ہے۔

صفحہ ۲۶۷ پر باب السین فصل الواو کے تحت س و ی (سوی) کا لفظ مذکور ہے لیکن جتنی بھی قرآنی آیات سے مثالیں دی گئی ہیں، وہ لفظ ''سوء'' کی ہیں جو سوی سے نہیں بلکہ س و ء (سوء) سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے یہاں پر مادۂ (س و ء) لکھنا چاہیے تھا۔ یہاں س و ی کا اندراج قطعاً غلط ہے۔

کتاب ہاتھ میں لی تھی تو خیال تھا کہ چند صفحات میں اس کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ہو سکے گا، لیکن جوں جوں کتاب پڑھتا گیا، بہت سی محلِ نظر اور لایق تصحیح چیزیں نظر آتی رہیں۔

کتاب میں زبان و بیان کی بہت سی اغلاط ہیں اور پروف خوانی کی طرف پوری توجہ نہیں دی گئی اس لیے اس اردو ایڈیشن میں بہت سی اغلاط نظر آئیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بہت سی آیاتِ قرآنی غلط طبع ہوئی ہیں۔ بعض اغلاط کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

صفحہ	غلط	صحیح
۱۳	فرقہ تجسیمہ	تجسیمیہ یا مجسّمہ
۱۳	الخمیس مآئة آیة	الخمس......
۱۳	مشابھة القرآن	متشابہ القرآن
۱۴	مواخذ و مصادر	مآخذ............
۱۸	اقراء کمپیوٹر	اقرأ
۱۵	اس کے باب افعال سے ایمان	امن کے............
۱۷۰	جزیات	جزئیات
۱۷۳	ذوالرھم	ذوالرحم
۳۴۲	الضلال: استذلال	............استدلال
۳۴۲	تُراوفتها	تَراوِدُ فتها
۳۴۳	سورة (السبا)	سبأ
۳۵۹	نَعَلِمَ	فَعَلِم (سورۃ الفتح:۱۸)
۳۵۵	حمزہ	ھمزہ
۵۷۶	أیام رمزاً	أیام إلّارمزاً (آل عمران:۴۱)
۵۹۱	الاتتقون (ملحوظه)	الایتقون (شعراء:۱۱)
۶۰۷	لیسراً	یُسراً
۴۴	مراَتُ العزیز	امرَاتُ العزیز

آخر میں ایک ضروری بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ کتاب کا نظمِ طباعت (get up) بہت خراب ہے۔ ہر صفحہ پر دو، تین، چار، پانچ مرتبہ جلی حرفوں میں ''توضیح'' کا لفظ آتا ہے، یا اسی طرح تشریح کا لفظ جلی حرفوں میں آتا ہے، جو آنکھوں کو بڑا ناگوار لگتا ہے، اور اس کے تحت میں دو تین سطروں کی جگہ بھی خالی ہوتی ہے۔ جب کہ وہ لفظ جس کی توضیح مقصود ہوتی ہے طباعت کے چھوٹے عادی حروف میں ہے۔ جلی حروف میں توضیح کی جانبی سرخیوں کے ہجوم میں نگاہیں اس لفظ کو تلاش کرتی رہتی ہیں جن کی توضیح مقصود ہوتی ہے۔ یعنی معاملہ الٹا کر دیا گیا ہے۔ جس لفظ کی توضیح مطلوب ہے وہ تو چھوٹے حروف میں اور جو وضاحت، یا صحیح الفاظ میں ترجمہ ہے وہ جلی حروف میں ہے۔

یہ سب کچھ مُشتے نمونہ از خروارے ہے، کتاب میں اغلاط کی بھرمار ہے۔ میرے خیال میں یہ کتاب عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے غیر مفید ہے، بلکہ مقاتل کے بعض تفردات کے سبب گمراہ کن ہوسکتی ہے۔ اس کے مقابلے میں راغب الاصفہانی کی مفردات القرآن جس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے زیادہ جامع اور مفید ہے۔ بہرحال اہل علم کے لیے، جو عربی لغت و تفاسیر پر نظر رکھتے ہیں، دوسری صدی ہجری کی اپنے موضوع پر یہ اولین تصنیف ایک گراں قدر تحفہ ہے۔

کتاب سے متعلق تنقیدی جائزے کے چند نقاط ہی پیش کیے جاسکے ہیں، خیال تھا کہ اصل عربی کتاب مل جائے تو اسے سامنے رکھ کر مزید کچھ عرض کروں گا، لیکن چونکہ اس کے جلد مہیا ہونے کے امکانات بظاہر نظر نہیں آرہے ہیں اس لیے ضروری سمجھا کہ اصل کتاب (بصورت ترجمہ) اور اس کے مترجم کے کام اور تصرفات سے متعلق مزید جو کچھ اس فرصت میں کہا جاسکتا ہے وہ قارئین کے سامنے پیش کروں۔ وما توفیقی الا باللّٰہ۔

مصادر ومراجع

۱) الندیم(ابن الندیم)کتاب الفہرست، تحقیق رضا تجدد(طہران،۱۹۷۱ء)۔
۲) حاجی خلیفہ، کشف الظنون فی اسامی الکتب والفنون،مجلدان-انقرۃ،طبعۃ مصورۃ کراچی: کارخانہ نور محمد تاجر کتب،س.ن)۔
۳) الیان سرکیس،معجم المطبوعات العربیۃ والمعرّبۃ،مجلدان(قُم-ایران،۱۴۱۰ھ ش)۔
۴) فؤاد سیزگین،تاریخ التراث العربی (جرمن سے ترجمہ محمود حجازی وابوالفضل ابراہیم)مجلدان(القاہرۃ،۱۹۷۷-۱۹۷۸ء)۔
۵) ابن خلکان،وفیات الأعیان،تحقیق احسان عباس،۸مجلدات(بیروت:دارالثقافۃ،۱۹۶۸-۱۹۷۲ء)۔
۶) الامام الذہبی،سیر أعلام النبلاء،تحقیق شعیب ارناؤوط وآخرین،۲۵مجلدات(بیروت:مؤسسۃ الرسالہ، ۱۹۹۰ء)۔
۷) ابن العماد الحنبلی،شذرات الذہب فی أخبار من ذہب،۴أجزاء فی مجلدین(بیروت:دارالکتب العلمیۃ، س.ن)۔
۸) خیرالدین الزرکلی،الاعلام،۱۰مجلدات،(بیروت:۱۹۶۹ء)۔
۹) عمر رضا کحالۃ،معجم المؤلفین،۱۵جزء فی ۸مجلدات(بیروت:داراحیاء التراث العربی،۱۹۵۷ء)۔
۱۰) الفرّاء(م:۲۰۷ھ)،معانی القرآن،۳مجلدات،(القاہرۃ:الھیئۃ المصریۃ العامہ،۱۹۸۰ء)۔
۱۱) ابوعبیدۃ،مجاز القرآن،تحقیق فؤاد سیزگین،مجلدان ط۲،(بیروت:مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۱ء)۔
۱۲) الامام طبری،جامع البیان فی تأویل آي القرآن(تفسیر طبری)،۳۰جزءاً فی ۱۵مجلدات،(بیروت:دارالفکر، س.ن)۔
۱۳) الزمخشری،الکشاف عن حقائق التنزیل(بیروت:دارالمعرفۃ،س.ن)۔
۱۴) الامام قرطبی،جامع أحکام القرآن(تفسیر قرطبی)،۲۰مجلدات(القاہرۃ:دارالکتب المصریہ،۱۹۶۶ء)۔
۱۵) الامام فخرالدین الرازی،مفاتیح الغیب(تفسیر الرازی)،۳۴جزءاً فی ۱۷مجلدات(بیروت:دارالفکر، ۱۹۹۳-۱۹۹۴ء)۔
۱۶) حافظ ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم(تفسیر ابن کثیر)،۴مجلدات(بیروت:دارالمعرفۃ،۱۹۸۳ء)۔
۱۷) برہان الدین البقاعی،نظم الدر فی تناسب الآیات والسُوَر (تفسیر بقاعی)،۸مجلدات(بیروت:دارالکتب العلمیۃ،۲۰۰۶ء)۔
۱۸) سید رشید رضا، تفسیر المنار،۱۲مجلدات(بیروت:دارالفکر،س.ن)۔
۱۹) ابن قتیبہ(م:۲۷۶ء)،تاویل مشکل القرآن،تحقیق السید احمد صقر(بیروت:دارالکتب العلمیۃ،۱۹۸۰ء)۔
۲۰) ابن الاثیر الجزری،النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر،تحقیق عبدالرحمٰن بن عویضۃ،۵مجلدات،(بیروت: دارالکتب العلمیہ،۱۹۹۴ء)۔
۲۱) راغب الأصفہانی،المفردات فی غریب القرآن (بیروت،دارالمعرفۃ،س.ن)۔

۲۲) حمید الدین الفراہی، مفردات القرآن، تحقیق وشرح، ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی ط۲ (اعظم گڑھ: الدائرۃ الحمیدیۃ، ۲۰۰۴ء)۔
۲۳) ابن فارس (م: ۳۹۵ھ)، معجم مقاییس اللغۃ، تحقیق عبدالسلام ھارون، ۶ مجلدات (طہران، ۱۴۰۴ھ)۔
۲۴) الزمخشری، أساس البلاغۃ، ۲ مجلدات (القاہرۃ: دار الکتب المصریۃ، ۱۹۷۲ء)۔
۲۵) ابن منظور، لسان العرب، ۱۵ مجلدات (بیروت: دار صادر، س.ن)۔
۲۶) الفیروزآبادی، القاموس المحیط، ۴ اجزاء فی مجلدین (مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرۃ ۱۹۵۲ء)۔
۲۷) محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی (م: ۶۶۶ھ)، مختار الصحاح، ترتیب جدید از محمود خاطر، (القاہرۃ: دار المعارف، ۱۹۷۳ء)۔
۲۸) تراجم القرآن: شیخ الھند مولانا محمود الحسن مع تفسیر عثمانی، ترجمان القرآن (مولانا آزاد)، فتح الحمید (مولانا فتح محمد جالندھری)، تفہیم القرآن (مولانا مودودی)، معارف القرآن (مفتی محمد شفیع)، تفسیرِ ماجدی (مولانا عبدالماجد دریا آبادی)۔